ڈاکٹر تنظیم الفردوس

مولانا احمد رضا خاں

کی نعتیہ شاعری میں ہیئت کے تنوع کی ابتدائی روایت

نعت کا مفہوم اگرچہ بحرِ بے کراں ہے لیکن دنیا کی اہم ترین زبانوں، بشمول عربی، فارسی، ہندی، اُردو، پنجابی، پشتو اور بنگالی وغیرہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی موزوں مدح وثناء نعت کہلاتی ہے۔ اہلِ فن کا اتفاق ہے کہ اس انداز کی نعت ایک مشکل صنف ہے۔ دوسری زبانوں کی طرح اُردو شاعری میں بھی نعت کا موضوع اپنے اندر بڑی دل کشی رکھتا ہے۔ اس لیے کہ یہ موضوع ایک ایسی ذاتِ والا صفات سے وابستہ و منسلک ہے کہ جس کی عظمت لامحدود اور جس کی وسعت بے پایاں ہے۔ اُردو میں نعت گوئی کی روایت نئی نہیں بلکہ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ اُردو شاعری۔ عشقِ رسول ﷺ کا بیان اور شوقِ سفرِ مدینہ کے تذکرے، ہندوستانی شعراء کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ فارسی کے بعد سب سے مؤثر نعتیں اُردو ہی میں ملتی ہیں۔

لیکن اُردو شاعری میں نعت کا فن کبھی بھی ایک مستقل صنفِ سخن کی حیثیت سے معروف نہیں رہا ہے۔ مختلف زمانوں میں اس موضوع کو مختلف ہیئتوں میں برتا گیا ہے۔ اور اپنی گوناگوں خصوصیات کے باعث اس کی حیثیت ایک مستقل صنفِ سخن کی ہوگئی ہے۔ اگرچہ نعت، شاعری کی مختلف ہیئتوں مثلاً قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، قطعہ، مسدس وغیرہ میں سے کسی میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کے موضوع سے انحراف کی گنجائش نہیں۔ اس تحدید کی بناء پر بظاہر نعت کا موضوع تنگ دکھائی دیتا ہے کیوں کہ اس کی حدیں سیرتِ نبی کریم ﷺ کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ لیکن کیوں کہ اس موضوع کا تعلق دنیا کی عظیم اور بزرگ ترین ہستی اور شخصیت سے ہے۔ لہٰذا آپ کی بلند پایہ سیرتِ مبارکہ کے توسط سے نعت کے موضوعات میں انسانی زندگی کے بیشتر مسائل و مباحث شامل ہوجاتے ہیں۔ [۱]

دکن اور شمالی ہندوستان میں نعت گوئی کے ابتدائی نقوش سے لے کر بیسویں صدی عیسوی تک نمایاں نعت گو شعراء کے تفصیلی جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے [۲] کہ اُردو زبان میں نعت کسی خاص ہیئت کے ساتھ مخصوص نہیں رہی۔ مثنوی، مسدس، مخمس، ترکیب بند، ترجیع بند، قصیدہ، رباعی، قطعہ، غزل، تمام ہی اصناف میں نعت گو شعراء نے اپنی جولانیِ طبع کی بہاریں پیش کی ہیں۔ لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ بالکل ابتدائی دور میں غزل کی ہیئت میں نعتیہ شاعری کے نمونے کم دکھائی دیتے ہیں لیکن جیسے جیسے بیسویں صدی آگے قدم بڑھاتی ہے ویسے ویسے غزل کی ہیئت نعتیہ شاعری کے لیے

نمایاں حیثیت اختیار کرتی چلی گئی۔ اور بہت سے شاعروں کے علاوہ محسن کاکوروی (۱۸۸۶ء۔۱۹۰۵ء) اور امیر مینائی (۱۸۲۹ء۔۱۹۰۰ء) نے نعت گوئی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ ان دونوں اکابرین کے یہاں قصائد اور غزل، نعتیہ موضوعات کی پیش کش میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

''مولانا احمد رضا خان بریلوی (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) کا تعلق بھی اسی زمانے سے ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی نعتیہ شاعری میں ہمیں تقریباً تمام ہی مروجہ ہیئتیں مثلاً غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، مستزاد، قطعہ اور مسدس بہ شکل ترجیع بند ملتی ہیں۔

کالی داس گپتا رضا نے احمد رضا کے شاعرانہ کمالات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اسلامی دنیا میں ان کے مقامِ بلند سے قطع نظر ان کی شاعری بھی اس درجے کی ہے کہ انیسویں صدی کے اساتذہ میں برابر کا مقام دیا جائے۔ ذرا غور وفکر کے بعد ان کے اشعار ایک ایسے شاعر کا پیکر دل ودماغ پر مسلط کردیتے ہیں جو محض ایک سخن ور کی حیثیت سے بھی اگر میدان میں اُترتا تو کسی اُستادِ وقت سے پیچھے نہ رہتا۔ ان کے کلام سے ان کے کامل صاحبِ فن اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں''۔[۳]

احمد رضا کی شاعری میں اُردو کلاسیک کے وہ اوصاف مجتمع ہیں جو کلام کو آفاقیت عطا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احمد رضا کی نعتیہ شاعری نے ہر دور میں مقبولیت حاصل کی، اُن کے کلام میں آج بھی وہ تازگی پائی جاتی ہے جو پڑھنے والوں کو مسحور کردیتی ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ وہ اصنافِ ادب ہیں جنھیں احمد رضا نے اپنی نعتیہ شاعری کے لیے منتخب کیا اور اس بارے میں دو آراء نہیں ہوسکتیں ہیں کہ انھوں نے نعتیہ شاعری کے لیے ہیئت کے جو بھی تجربے کیے اُس میں وہ کامیاب رہے اسی بنا پر احمد رضا اُردو کے اُن ابتدائی نعت گو شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں جن کی نعتیہ شاعری میں ہیئت کے حوالے سے منفرد تنوع ملتا ہے۔

اب ہم اُن کی شاعری سے چند اہم اصناف کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

مثنوی:

احمد رضا کے دیوان ''حدائقِ بخشش'' میں ایک مثنوی بہ عنوان ''مثنوی الوداع جبہ'' ہے جو ستّر اشعار پر مشتمل ہے۔ اس مثنوی میں سرکارِ اقدس ﷺ کے جبۂ مقدسہ کی رخصتی پر رضا نے رنج وحسرت کا اظہار کیا ہے۔ زبان سادہ اور سلیس ہے۔ کہیں کہیں فارسی کے الفاظ آگئے ہیں مگر عام فہم ہیں۔ منظر کشی، روانی اور تسلسلِ موضوع برقرار ہے۔ یہ مثنوی تلمیحاتی فضا سے پاک ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

آج کیا ہے جو ہیں سب گریہ کناں
خاک برسر چشم تر سینہ زناں
کیوں تڑپتا ہے مرا دل بے قرار
کیا ہوا آنکھوں کو کیوں ہیں اشک بار
گرمیِ بازار خور کیوں سرد ہے
کیا ہوا مہ کو جو چہرہ زرد ہے
ماتمی پوش آج کیوں ہے آسماں
کیوں زمیں سکتے میں ہے آئینہ ساں
شعر میرے دے رہے ہیں بوئے خوں
ٹپکے ہے ہر بات سے رنگِ جنوں

ترجیع بند:

دیوانِ احمد رضاؔ میں دو ترجیع بند ہیں۔ پہلا بند فارسی میں ہے۔ ترجیعی بیت بھی فارسی کا ہے۔ دوسرا ترجیع بند نامکمل ہے۔ اس کا بھی پہلا بند فارسی میں ہے اور ترجیعی بیت بھی فارسی کا ہے۔ اس کے علاوہ دیوان میں تین خمسے ہیں۔ پہلا خمسہ سولہ بند کا، دوسرا نامکمل چار بند کا، اور تیسرا سولہ بند کا۔ پہلا اور تیسرا خمسہ قاسم کی نعت پر تضمین ہے۔ دوسرا خمسہ بھی تضمین ہی ہے۔ نعتِ قاسمؔ کو احمد رضاؔ نے اپنے قلم کی سحر طرازی سے لاجواب خمسہ بنا دیا ہے۔ پہلے خمسے سے مثال ملاحظہ فرمایئے:

شعلۂ عشقِ نبی سینے سے باہر نکلا
عمر بھر مُنھ سے مرے وصفِ پیمبر نکلا
سازگار ایسا بھلا کس کا مقدر نکلا
دم مرا صاحبِ لولاک کے در پر نکلا
اب تو ارمان ترا اے دلِ مضطر نکلا

دوسرے نامکمل خمسے کا ایک بند یہ ہے:

بستگی میں تھا مرے غنچۂ دل کو یہ گماں
سو نسیمیں چلیں کھلنا تھا مگر اس کا محال
دفعتہً کیا ہوا اس حال نے پایا جو زوال
صرصرِ دشتِ مدینہ کا مگر آیا جو خیال
رشکِ گلشن سے جو بنا غنچۂ دل وا ہو کر

تیسرے خمسے کے مقطع کا بند یوں ہے:

اے کاش شانِ رحمت میرے کفن سے نکلے
جاں بوئے گل کی صورت باغِ بدن سے نکلے
ارماں طفیلِ نامِ شاہِ زمن سے نکلے
حسرت ہے یا الٰہی جب جان تن سے نکلے
نکلے تو نامِ اقدس لے کر دہن سے نکلے

رباعی:

احمد رضاؔ کے نعتیہ کلام میں رباعیات بھی قابلِ ذکر تعداد میں ہیں۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

اللہ کی سرتا بہ قدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

نورِ رخِ سرکار کا عجب جلوہ ہے
آٹھوں پہر اس کوچے میں دن رہتا ہے
یہ شامِ مدینہ نہ سمجھنا اے دل
آہِ دلِ عاشق کا دھواں چھایا ہے

رباعی کا حسن اور اس کی کامیابی کا انحصار اس کے چوتھے مصرعے کی بے ساختگی اور برجستگی پر ہوتا ہے۔ اور سارا مفہوم و مغز اسی سے ظاہر ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا رباعیوں سے احمد رضاؔ کی فنّی چابک دستی عیاں ہے۔ مضامین، خیالات اور افکار بہت بلند مگر نازک اور سنجیدہ ہیں۔ انھوں نے سادہ زبان میں اپنی تخلیقی توانائی اور جذبے کی تب و تاب کو بروئے کار لاکر ان رباعیات کو شعری حسن اور فکری وقار کا پیکر بنا دیا ہے۔

مستزاد:

احمد رضاؔ کے دیوان میں صنف ''مستزاد'' کی مثال بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن اُنھوں نے ہر شعر کے بعد صرف مصرعِ ثانی کے ساتھ آدھے آدھے مصرعے کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح مستزاد کی ایک نئی طرز نکالی ہے۔ پھر اسی میں ایک قطعہ کہا ہے، جس میں اپنے دل کے کھو جانے کی روداد، نہایت پُر کیف

اور لطیف انداز میں بیان کی ہے۔ اس مستزاد میں صنعتِ تجاہل عارفانہ، اقتباس اور تلمیح بھی ہیں۔ کسی کسی شعر میں تین تین ٹکڑے، ہم قافیہ استعمال کر کے ''صنعتِ مسمط'' کی بہار بھی دکھائی ہے۔ لکھتے ہیں:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

یہی بولے سدرہ والے، چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پائے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

یہ مستزاد، دل کی کشمکش کی کہانی ہے، جس کا بڑی خوب صورتی اور نزاکت کے ساتھ رضاؔ نے قطع بند اشعار میں اظہار کیا ہے۔ اس مستزاد میں انھوں نے جذبات نگاری کو کمال عطا کیا ہے۔

قطعہ:

صنفِ قطعہ میں نعتیہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

عالم ہمہ صورت اگر جاں ہے تو، تُو ہے
سب ذرّے ہیں گر مہرِ درخشاں ہے تو، تُو ہے
پروانہ کوئی شمع کا، بلبل کوئی گل کا
اللہ ہے شاہد مرا، جاناں ہے تو، تو ہے
طالب میں ترا، غیر سے ہرگز نہیں کچھ کام
گردیں ہے تو، تُو ہے، ایماں ہے تو، تو ہے

قصیدہ:

اگر ہم صنف وار جائزہ لیں تو احمد رضاؔ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' میں ان کے قصائد کی کل تعداد بارہ ہے۔ چار قصائد حصّہ اوّل اور دوم میں اور چھے قصائد حصّہ سوم میں ہیں۔ حصّہ سوم میں دو غیر مکمل قصیدے بھی ملتے ہیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ احمد رضاؔ نے ہر قصیدے میں نعت کی فضا کو بدرجہ اتم برقرار رکھا ہے۔ اُن کے ہاں کسی بھی موقعے پر نہ نعت کی فضا مجروح و مکدر ہوتی نظر آتی اور نہ قصیدے کا فن متاثر ہوتا ہے، چنانچہ قصیدے میں نعت کے موضوعات کو پیش کرنے کا یہ کامیاب تجربہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر ابو محمد سحر کے مطابق:

> ''قصیدہ نگاری کے فنی لوازمات میں اہم ترین، چار ارکان ہیں، تشبیب یا نسیب، گریز، مدح/ذم، دعا۔ تشبیب کا پہلا شعر قصیدے کا پہلا شعر و مطلع ہوتا ہے اور یہیں سے شاعر کے کمال کا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ مطلع کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ بلند

پایہ اور شگفتہ ہو۔اس میں کوئی فنّی اور جدت آمیز بات بیان کی جائے تا کہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو جائے اور بعد کے اشعار کا اچھا اثر مرتب ہو"۔ ۵

لہٰذا ڈاکٹر سراج احمد بستوی رقم طراز ہیں:

"حضرت رضا نے اپنے تمام قصائد میں مذکورہ شرائط کا اہتمام رکھا ہے۔ چنانچہ جب وہ قصیدۂ معراجیہ کا آغاز فرماتے ہیں تو اس کی تشبیب کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

اور اپنے شہرۂ آفاق قصیدے "قصیدہ در اصطلاحاتِ علمِ نجوم و ہیئت" کی تشبیب کا آغاز اس طرح فرماتے ہیں:

خالقِ افلاک نے طرفہ کھلائے چمن
اک گُلِ سوسن میں ہیں لاکھوں گُلِ یاسمن" ۵

چوں کہ قصیدے کی کامیابی اس کی تشبیب پر مبنی ہوتی ہے۔اور خاص طور پر اس کے مطلع کو تو اتنا وقیع اور جان دار ہونا چاہیے کہ سامع مطلع سنتے ہی ہمہ تن توجہ ہو جائے، اسی لیے عربی شعراء تشبیب میں عشقیہ مضامین ہی قلم بند کرتے تھے۔عربی کے اثرات کے باعث فارسی اور اُردو میں بھی یہ روایت بڑی حد تک قائم ہے۔مگر اُردو قصیدہ نگاروں نے عشقیہ مضامین کے علاوہ دیگر مضامین بھی قلم بند کیے ہیں۔

قصیدے کا دوسرا رکن گریز ہے۔جس کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ تشبیب و مدح کے درمیان ربط پیدا کرنے کے لیے شاعر اپنی تمام تر صلاحیتوں کا ثبوت بہم پہنچائے۔حقیقتاً قصیدہ گو کی صلاحیت کی کسوٹی یہی ہے۔مثلاً احمد رضا کے قصیدے میں گریز کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

مدحت غائب ہوئی شوق کی آتشِ فروز
گل کی حضوری میں ہو بلبلِ جاں نغمہ زن

جانِ دو عالم نثار وہ ہے مرا تاج دار
جس کو کہیں جان ودیں جانِ من ایمانِ من

مدحِ حسیناں نہ کہہ وصفِ امیراں نہ کر
خَلق انھی کی حسیں خُلق انھی کا حَسَن

''قصیدے کا تیسرا حصّہ مدح ہے۔ جس میں شاعر ممدوح کے اوصاف بیان کرتا ہے۔ اس کے عموماً دو ضمنی اجزاء بھی ہوتے ہیں۔ گریز کے بعد پہلے ممدوح کی تعریف صیغۂ غائب میں کی جاتی ہے جس کو مدحِ غائب کہتے ہیں۔ مدحِ حاضر کی ابتداء بیشتر نئے مطلع سے کی جاتی ہے۔'' ۶ قصیدے میں اس حصّے کو قصیدہ گوئی کے فن میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خاص طور پر نعتیہ قصائد میں شاعر کو اپنی استعداد کے مطابق حضورِ اکرم ﷺ کے فضائل کو نئی نئی جہات اور سمتوں میں بیان کرنے کا موقع ملتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ احمد رضاؔ، غائب سے حاضر کی طرف گریز کرتے ہوئے مدح فرماتے ہیں:

مدحت غائب ہوئی شوق کی آتشِ فروز
گل کی حضوری میں ہو بلبلِ جاں نغمہ زن

مدح کے بعد شاعر، قصیدے کے آخری رکن، دعا یا عرضِ حال کی طرف پلٹتا ہے۔ احمد رضاؔ اس طرز کے مطابق اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں:

نبیِ رحمت شفیعِ اُمت رضا پہ للہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصّہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے
ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

مذکورہ بالا چار قصائد کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے ذریعے احمد رضاؔ نے پہلی بار اُردو کے نعتیہ ادب میں تشبیب کے مضامین میں وہ وسعت و معنویت پیدا کی ہے جس کی اس سے قبل کے نعتیہ ادب (اُردو/فارسی/عربی) میں بہت مشکل سے نظیر ملے گی۔ بلکہ بعض جہتوں سے آپ نے تشبیہہ استعارہ، کنایہ، تشبیب، ردیف و قوافی کا نئے انداز سے جو اہتمام و استعمال کیا ہے وہ آپ کی اپنی ایجادات و اوّلیات ہیں۔

اب قصیدۂ سلامیہ کی طرف آتے ہیں جس کی بابت علامہ شمس بریلوی لکھتے ہیں:

''حضرت رضا بریلوی قدس سرہٗ کا وہ سلام محبت آگیں جس کا مطلع 'مصطفیٰ جانِ رحمت ......' ہے، ہر اس مسلمان کے دل کی آواز ہے جس کا دل محبتِ سرکارِ دو عالم ﷺ سے معمور ہے۔ اس سلام میں عجیب والہانہ جذبات اور وارفتگی کا عالم نظر آتا ہے۔ ان اشعار میں سراپائے قدس سے جو پارہ ہائے نور یعنی اعضائے پاک، خامۂ رضا نے منتخب کیے ہیں، ان کی کما حقہٗ تعریف نظم تو نظم، نثر میں بھی دشوار ہے''۔ ۷

اسی طرح احمد رضا کا قصیدۂ درودیہ بھی، جس کا مطلع ہے:

کعبے کے بدرالدجےٰ تم پر کروروں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

ان کے تبحرِ علمی، قادرالکلامی اور سب سے بڑھ کر فیضِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا مظہر ہے۔جس نے رضاؔ کے سامنے مضامین و الفاظ کے انبار لگادیے۔ساٹھ اشعار پر مشتمل اس ذوقافیتین قصیدے میں حروفِ ہجا کا خاص التزام رکھا گیا ہے۔عشقیہ شاعری میں شعرانے ذوقافتین غزلیں تو کہی ہیں لیکن حروفِ ہجا کا التزام کہیں نظر نہیں آ تا۔نعتیہ شاعری میں تو احمد رضاؔ سے قبل اس کی کوئی مثال اُردو شاعری میں نہیں ملتی۔علامہ شمس الدین نے اس کو اوّلیاتِ رضاؔ میں شمار کیا ہے ۸؎ نظام الدین بیگ نے اسے شبِ معراج کا تہنیت نامہ قرار دیا ہے۔۹؎ جب کہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اس قصیدے کو احمد رضاؔ کی شاعری کا کمال کہا ہے۔۱۰؎

افتخار عارف نے احمد رضا کے قصائد پر بہت عمدگی سے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔وہ رقم طراز ہیں کہ:

> ''قصیدۂ سلامیہ،قصیدۂ معراجیہ،قصیدۂ درودیہ،جس طرح کی فضا بنانی ہوتی ہے پھر ساری آئینہ بندی اسی نوعیت کی۔آہنگ،بحر،زبان،لہجے،بندشیں،ترکیبیں،موسیقی سب عناصر باہم پیوست نظر آتے ہیں۔صناعی تمام و کمال مگر حسن کے ساتھ،مصرعے صاف، جذبے خالص، بیان واضح۔محبت رسول ﷺ کی شدت و وارفتگی نے نعت کو اعجازِ سخن کی منزلوں سے ملادیا ہے۔کہیں سے بھی 'حدائقِ بخشش' کھول لیجیے۔پڑھتے چلے جایئے اور پاک ہوتے جایئے۔صنائع بدائع تواتر کے ساتھ۔تجنیس، ایہام، تناسب، تضاد و طباق، مراعاۃ النظیر ،حسنِ تعلیل، تلمیح سب ہے مگر کرتب سازی کی طرح نہیں،حضوری کے معجزوں کے ساتھ''۔۱۱؎

علامہ شمس بریلوی نے مذکورہ قصیدے کے اَسّی اشعار کی تشریح کی ہے جو 'معارفِ رضا'، کراچی،شمارہ چہارم،۱۹۸۴ء،شمارہ ہفتم،۱۹۸۷ء،اور شمارہ ہشتم،۱۹۸۸ء میں قسط وار شایع ہوئی ہے۔

الغرض احمد رضاؔ کے نعتیہ قصیدے فنی،فکری اور تسکینِ قلبی کے حوالے سے اُردو شاعری میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

غزل:

عام طور پر اصناف سخن میں غزل کو اظہار کا بہترین وسیلہ گردانا جاتا ہے۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ غزل باریک سے باریک جذباتِ عشق کو اپنے میں سمونے اور اظہار کے رنگارنگ زاویے تراشنے میں بڑا مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔ بات اس حسن سے کہی جائے کہ سننے والا اسے اپنے دل کی بات سمجھ لے، یہ ہے غزل کا بنیادی وصف۔ غالباً یہی سبب ہے کہ بے شمار صوفیاء، شعراء، فقراء، اور اہلِ تصوّف نے اپنی بات کو قاری کے دل میں اُتارنے کے لیے غزل ہی کا انتخاب کیا ہے۔

شاعری کا موضوع خواہ کچھ بھی ہو، شاعر سے جذبات کی شدت اور پاکیزگیِ خیالات کا تقاضہ کیا جاتا ہے۔ گویا جذباتی صداقت کے بغیر محض علمی صداقت کے زور پر اعلیٰ درجے کی شاعری جنم نہیں لے سکتی۔ اسی معیار کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جب ہم احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا تجزیہ کرتے ہیں تو کتنی ہی مثالیں ایسی نظر آتی ہیں جو فن پر مکمل عبور اور قادر الکلامی کی نادر مثالیں قرار پاتی ہیں، اسی حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> ان (احمد رضا) کے یہاں غزل کے پیرائے میں لمبی لمبی نعتیں ملتی ہیں اور بعض نعتوں میں بڑی مشکل زمینوں اور ردیفوں میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی محبت کا تیز دھارا سنگلاخ زمینوں کو چیرتا ہوا اس طرح گزر گیا کہ شادابی و زرخیزی کے جو آثار احمد رضا صاحب کی ان نعتوں میں پیدا ہو گئے ہیں وہ دوسروں کے ہاں نرم اور ہموار زمینوں میں بھی نظر نہیں آتے''۔[۱۲]

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
مجھ سا کوئی غم زدہ نہ ہوگا — تم سا نہیں غم گسار آقا
جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیّدِ عالم — اُس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا
ہم خاک اُڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی — آباد رضاؔ جس پہ مدینہ ہے ہمارا
میرے ہر زخمِ جگر سے یہ نکلتی ہے صدا — اے ملیحِ عربی کر دے نمک داں ہم کو
وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا — ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

مختصر بحروں میں طبع آزمائی ایک دشوار فن ہے۔ مگر احمد رضا نے چھوٹی بحروں کا بھی انتخاب کیا اور چابک دستی کے ساتھ ان میں اپنی فنّی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا:

زہے عزت و اعتلائے محمد
کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمد

بزم آخر کا شمعِ فروزاں ہوا
نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی

جس نے مردہ دلوں کو دی عمرِ ابد
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

مولانا احمد رضا خان کی شاعری اکتسابی نہیں، وہبی ہے۔ لفظوں کی نہیں جذبوں کی شاعری ہے اوران کے یہاں تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔ ان کی نعت گوئی جن خارجی اوصاف سے مزین ہے وہ کہیں بھی ان کے اظہارِ جذبات یا ترسیلِ فکر میں حارج نہیں ہوتے۔ اور یہیں آ کر فنی دسترس اور قادر الکلامی کے اعلیٰ ترین جواہر پاروں سے ان کی شاعری آراستہ ہوتی ہے۔ احمد رضاؔ نے حضورِ اکرم ﷺ کا تقابل دیگر انبیائے کرام سے بھی کیا ہے لیکن انبیائے کرام کی عظمت و بزرگی کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ کہتے ہیں:

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

آپ نے بعض بے حد سنگلاخ زمینوں میں بھی نعتیں کہیں ہیں۔ (علامہ شمس بریلوی نے احمد رضاؔ کے اس ہنر کی طرف متوجہ کیا ہے) مثلاً مرزا غالبؔ کی زمین: ''غنچۂ نا شگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں'' پر احمد رضا نے بڑی کامیاب نعت کہی ہے:

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفٰے کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

غالبؔ کا مقطع ہے:

جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کر ہو رشکِ فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کر اسے سنا کہ یوں

احمد رضاؔ کا مقطع اس طرح ہے:

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضاؔ کہ یوں

غالبؔ ہی کی ایک اور غزل ہے۔ (اور اس زمین میں داغؔ کی غزل بھی مشہور ہے)

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

احمد رضاؔ کی نعت اس زمین میں دیکھیے:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

غالبؔ نے تو کہا تھا:

جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

لیکن احمد رضاؔ کہتے ہیں:

یادِ حضورؐ کی قسم غفلتِ عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم، کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

اسی ردیف میں قافیے کی تبدیلی کے ساتھ ایک اور نعت ملاحظہ کیجیے:

یادِ وطن ستم کیا، دشتِ حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بد نصیب سر پہ بلا اُٹھائی کیوں

اس کے علاوہ:

تھک کے بیٹھے تو درِ دل پہ تمنائی دوست
کون سے گھر کا اُجالا نہیں زیبائی دوست
رونقِ بزمِ جہاں ہیں عاشقانِ سوختہ
کہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ

احمد رضاؔ خاں کے تبحرِ علمی اور وسعتِ فکری کے سامنے شعر گوئی حیثیت نہیں رکھتی، لیکن آپ نے شاعری برائے شاعری نہیں کی بلکہ اپنے اظہارِ مسلک کا ذریعہ بنایا اور اپنے کلام کی بلاغت سے اُردو شاعری کے دامن میں صالح شعر و ادب کے وہ موتی بکھیرے جس کی مثال اُردو شاعری میں کم ملے گی۔ ان کی نعت کا یہ مقطع تعلّی نہیں بلکہ حقیقت ہے:

یہی کہتی ہے بلبلِ باغ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ تجھے شوخیِ طبع رضاؔ کی قسم

احمد رضاؔ کا زمانۂ شاعری وہ ہے جب کہ ابھی اُردو زبان تجربات کی حدود سے باہر نہیں نکلی تھی اور بڑے بڑے اکابر شعرائے کرام زبان میں تجربات کی گلکاریاں کر رہے تھے۔ اس ماحول میں بے شک

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی شاعری اُردو ادب کے لیے ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔ آپ کی شاعری شگفتگیِ زباں اور دل نشیں بیان کے اعتبار سے اُردو کے چند اہم شعراء کے ساتھ رکھے جانے کے قابل ہے۔ الفاظ کا لامحدود خزانہ، فن کی عرق ریزیوں کے ساتھ پڑھنے والوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ آپ کی شاعری کے بارے میں یہ رائے بالکل صادق آتی ہے کہ عہدِ جدید میں آپ اُردو غزل کے ایک ''مجتہد'' کی حیثیت رکھتے ہیں جو کہ محض زبان و بیاں کی دل کشی پر ہی یقین نہیں رکھتا بلکہ موضوعِ بیان (نعت) کی سچائی اور واقعیت پر بھی گہرا ایمان رکھتا ہے۔

حواشی

۱) تفصیلی مطالعے کے لیے ملاحظہ کیجیے: ''مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری'' از بستوی، دہلی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۶۵۔ اور ''اُردو قصیدہ نگاری'' از ڈاکٹر ابو محمد سحر، لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، ص ۱۴۔

۲) تفصیلی مطالعے کے لیے ملاحظہ کیجیے از ڈاکٹر ریاض مجید: ''اُردو میں نعت گوئی''، اقبال اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۰ء۔

۳) کالی داس گپتا رضا: ''رضاؔ، داغؔ اور امیرؔ'' مشمولہ معارفِ رضا، کراچی، شمارہ ہشتم، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۷۔

۴) ڈاکٹر ابو محمد سحر: ''اُردو میں قصیدہ نگاری''، ص ۱۷۔

۵) ڈاکٹر سراج احمد بستوی: ''مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری''، ص ۲۸۴۔

۶) ایضاً

۷) شمس بریلوی: ''کلامِ رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ، مع حدائقِ بخشش، کامل''، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۲۲۰۔

۸) ایضاً۔

۹) مرزا نظام الدین بیگ: ''قصیدۂ معراجیہ'' مشمولہ: معارفِ رضا، کراچی، شمارہ ۱۹۹۳ء، ص ۱۲۶۔

۱۰) ڈاکٹر محمد مسعود احمد: ''آئینۂ رضویات''، سوم، مرتبہ محمد عبدالستار طاہر، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضاؔ، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۳۰۔

۱۱) افتخار عارف: ''فاضل بریلوی کی اُردو نعت گوئی''، مشمولہ معارفِ رضا، کراچی، شمارہ ۱۷، ۱۹۹۷ء، ص ۱۲۹۔

۱۲) ڈاکٹر فرمان فتح پوری: ماہ نامہ ''نگار'' پاکستان، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۷۰۔

کتابیات

۱۔ بستوی، سراج احمد، ڈاکٹر: ''مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری''، دہلی، ۱۹۹۷ء۔

۲۔ ریاض مجید، ڈاکٹر: ''اُردو میں نعت گوئی''، لاہور، اقبال اکیڈمی، ۱۹۹۰ء۔

۳۔ سحرؔ، ابو محمد، ڈاکٹر: ''اُردو قصیدہ نگاری''، لکھنؤ۔ نسیم بک ڈپو۔

۴۔ شمسؔ، بریلوی: ''کلامِ رضاؔ، تحقیقی و ادبی جائزہ مع حدائقِ بخشش''، حصہ سوم، کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، ۱۹۷۶ء۔

رسائل

۱۔ ''معارفِ رضا''، کراچی، شمارے: ۴، ۷، ۸، ۱۶، ۱۷۔

۲۔ ''نگار''، کراچی، شمارہ ۳، ۲۰۰۱ء۔